

## حضرت مسیح موعودؑ کی احباب جماعت کو نصائح

(ملفوظات جلد 5 ایڈیشن 1984ء)

(تقریر نمبر 10)

اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔

فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ وَاَشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ (البقرہ: 153)

پس میرا ذکر کیا کرو میں بھی تمہیں یاد رکھوں گا۔ اور میرا شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو۔

دین خدا وہی ہے جو دریائے نور ہے  
جو اس سے دور ہے وہ خدا سے بھی دور ہے  
وہ لوگ جو کہ معرفت حق میں خام ہیں  
بت ترک کر کے پھر بھی بتوں کے غلام ہیں

معزز سامعین! حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تقاریر، درس اور مجالس عرفان سے خطابات کو ملفوظات کے نام سے 10 جلدوں میں افادہ عام کے لئے محفوظ کیا گیا ہے۔ جن میں سے قیمتی نصائح کو ”مشاہدات“ کے تحت احباب جماعت کے لئے اکٹھا کیا جا رہا ہے اور تقاریر کی صورت میں ملفوظات کی پہلی چار جلدوں سے 25 تقاریر افادہ عام کے لئے ویب سائٹ پر اپلوڈ کر دی گئی ہیں۔ اس وقت ملفوظات جلد 5 سے نصائح پیش کی جا رہی ہیں۔ یہ جلد پنجم کی دسویں تقریر ہے۔

دکھاوے کی نیکی ایک لعنت ہے

فرمایا:

”نیکی جو صرف دکھانے کی غرض سے کی جاتی ہے وہ ایک لعنت ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ کے وجود کے ساتھ دوسروں کا وجود بالکل بیچ جاننا چاہیے۔ دوسروں کے وجود کو ایک مُردہ کیڑا کی طرح خیال کرنا چاہیے کیونکہ وہ کچھ کسی کا بگاڑ نہیں سکتے اور نہ سنوار سکتے ہیں۔ نیکی کو لوگ اگر ہزار ہزاروں کے اندر بھی کیا کریں تو خدا تعالیٰ نے قسم کھائی ہوئی ہے کہ اسے ظاہر کر دے گا اور اسی طرح بدی کا حال ہے۔ بلکہ لکھا ہے کہ اگر کوئی عابد زاہد خدا تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو اور اس صدق اور جوش کا جو اس کے دل میں ہے انتہا کے نقطہ تک اظہار کر رہا ہو اور اتفاقاً گندی لگانا بھول گیا ہو تو کوئی اجنبی باہر سے آکر اس کا دروازہ کھول دے تو اس کی حالت بالکل وہی ہوتی ہے جو ایک زانی کی عین زنا کے وقت پکڑے جانے سے۔ کیونکہ اصل غرض تو دونوں کی ایک ہی ہے یعنی اخفائے راز۔ اگرچہ رنگ الگ الگ ہیں۔ ایک نیکی کو اور دوسرا بدی کو پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے۔ غرض خدا کے بندوں کی حالت تو اس نقطہ تک پہنچی ہوئی ہوتی ہے نیک بھی چاہتے ہیں کہ ہماری نیکی پوشیدہ رہے اور بد بھی اپنی بدی کو پوشیدہ رکھنے کی دعا کرتا ہے۔ مگر اس امر میں دونوں نیک و بد کی دعا قبول نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو قانون بنا رکھا ہے کہ وَاللّٰهُ مُخْبِرٌ بِمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ (البقرہ: 73)

خدا تعالیٰ کی رضا میں فانی لوگ نہیں چاہتے کہ ان کو کوئی درجہ اور امامت دی جاوے وہ ان درجات کی نسبت گوشہ نشینی اور تہا عبادت کے مزے لینے کو زیادہ پسند کرتے ہیں مگر ان کو خدا تعالیٰ کشاں کشاں خلق کی بہتری کے لیے ظاہر کرتا اور مبعوث فرماتا ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو غار میں ہی رہا کرتے تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ ان کا کسی کو پتہ بھی ہو۔ آخر خدا تعالیٰ نے ان کو باہر نکالا اور دنیا کی ہدایت کا بار ان کے سپرد کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہزاروں شاعر آتے اور آپ کی تعریف میں شعر کہتے مگر لعنتی ہے وہ دل جو خیال کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تعریفوں سے پھولتے تھے۔ وہ ان کو مُردہ کیڑے کی طرح

خیال کرتے تھے۔ مدح وہی ہوتی ہے جو خدا آسمان سے کرے۔ یہ لوگ محبت ذاتی میں غرق ہوتے ہیں ان کو دنیا کی مدح و ثنا کی پرواہ نہیں ہوتی۔ تو یہ مقام ایسا ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ آسمان اور عرش سے اُن کی تعریف اور مدح کرتا ہے۔

سُنو! ہماری یہ باتیں اس واسطے نہیں کہ ہم کسی کے ایمان کو کچھ بڑھا سکتے ہیں یا کسی کے دل میں کچھ ڈال سکتے ہیں۔ نہیں! ہم کسی کے ایمان کو ایک جو بھر بھی زیادہ نہیں کر سکتے۔ ہم صرف اس واسطے کہتے ہیں کہ اتنے جمع ہو شاید ہے کہ کسی کے دل کو کوئی بات پکڑ لے اور اس کی اصلاح ہو جاوے۔ توفیق تو سب اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ خدا تعالیٰ قادر ہے کہ کسی کے دل میں ایمان کی حقیقی جڑ لگا دے اور پھر اُسے اُس کے ثمرات دکھلا دے یا کسی کو اس کی بدی کی وجہ سے قہر کی آگ سے ہلاک کرے۔ پس دعا ہی کرنی چاہیے تا اس کی توفیق شامل انسان ہو۔“

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 250-252)

## نماز کی فریضیت اور اہمیت

حضورؐ فرماتے ہیں:

”نماز ہر ایک مسلمان پر فرض ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے پاس ایک قوم اسلام لائی اور عرض کی ہی کہ یا رسول اللہ! ہمیں نماز معاف فرمادی جائے کیونکہ ہم کاروباری آدمی ہیں مولیٰ وغیرہ کے سبب سے کپڑوں کا کوئی اعتماد نہیں ہوتا اور نہ ہمیں فرصت ہوتی ہے۔ تو آپؐ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ دیکھو! جب نماز نہیں تو ہے ہی کیا؟ وہ دین ہی نہیں جس میں نماز نہیں۔ نماز کیا ہے؟ یہی کہ اپنے عجز و نیاز اور کمزوریوں کو خدا کے سامنے پیش کرنا اور اسی سے اپنی حاجت روائی چاہنا۔ کبھی اُس کی عظمت اور اُس کے احکام کی بجا آوری کے واسطے دست بدستہ کھڑا ہونا اور کبھی کمال مذلت اور فروتنی سے اس کے آگے سجدہ میں گر جانا۔ اس سے اپنی حاجت کا مانگنا بھی نماز ہے۔ ایک سائل کی طرح کبھی اس مسؤل کی تعریف کرنا کہ تو ایسا ہے تو ایسا ہے۔ اُس کی عظمت اور جلال کا اظہار کر کے اُس کی رحمت کو جنبش دلانا پھر اُس سے مانگنا۔ پس جس دین میں یہ نہیں وہ دین ہی کیا ہے؟ انسان ہر وقت محتاج ہے اُس سے اُس کی رضا کی راہیں مانگتا رہے اور اس کے فضل کا اسی سے خواستگار ہو کیونکہ اسی کی دی ہوئی توفیق سے کچھ کیا جاسکتا ہے۔ اے خدا! ہم کو توفیق دے کہ ہم تیرے ہو جائیں اور تیری رضا پر کار بند ہو کر تجھے راضی کر لیں۔ خدا تعالیٰ کی محبت اُسی کا خوف، اُسی کی یاد میں دل لگا رہنے کا نام نماز ہے اور یہی دین ہے۔ پھر جو شخص نماز ہی سے فراغت حاصل کرنا چاہتا ہے اُس نے حیوانوں سے بڑھ کر کیا کیا۔ وہی کھانا پینا اور حیوانوں کی طرح سوراہنا یہ تو دین ہر گز نہیں۔ یہ سیرت کفار ہے بلکہ جو دم غافل وہ دم کافر والی بات بالکل راست اور صحیح ہے۔

چنانچہ قرآن شریف میں ہے فَادْكُرْ ذُنُوبَ اٰذْكُرْ لَمْ وَاشْكُرْ ذٰلِیْ وَلَا تَكْفُرْ ذٰلِیْ (البقرہ: 153) یعنی اے میرے بندو! تم مجھے یاد کیا کرو اور میری یاد میں مصروف رہا کرو میں بھی تم کو نہ بھولوں گا تمہارا خیال رکھوں گا اور میرا شکر کیا کرو اور میرے انعامات کی قدر کیا کرو اور کفر نہ کیا کرو۔ اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ذکر الہی کے ترک اور اس سے غفلت کا نام کفر ہے۔ پس جو دم غافل وہ دم کافر والی بات صاف ہے۔ یہ پانچ وقت تو خدا تعالیٰ نے بطور نمونہ کے مقرر فرمائے ہیں ورنہ خدا کی یاد میں تو ہر وقت دل کو لگا رہنا چاہیے اور کبھی کسی وقت بھی غافل نہ ہونا چاہیے۔ اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ہر وقت اسی کی یاد میں غرق ہونا بھی ایک ایسی صفت ہے کہ انسان اس سے انسان کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے اور خدا تعالیٰ پر کسی طرح کی امید اور بھروسہ کرنے کا حق رکھ سکتا ہے۔

## نماز خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا ذریعہ ہے

اصل میں قاعدہ ہے کہ اگر انسان نے کسی خاص منزل پر پہنچنا ہے تو اس کے واسطے چلنے کی ضرورت ہوتی ہے جتنی لمبی وہ منزل ہوگی اتنا ہی زیادہ تیزی، کوشش اور محنت اور دیر تک اسے چلنا ہوگا۔ سو خدا تعالیٰ تک پہنچنا بھی تو ایک منزل ہے اور اس کا بعد اور دوری بھی لمبی۔ پس ہر شخص خدا تعالیٰ سے ملنا چاہتا ہے اور اُس کے دربار میں پہنچنے کی خواہش رکھتا ہے اس کے واسطے نماز ایک گاڑی ہے جس پر سوار ہو کر وہ جلد تر پہنچ سکتا ہے۔ جس نے نماز ترک کر دی وہ کیا پہنچے گا۔

اصل میں مسلمانوں نے جب نماز کو ترک کیا یا اسے دل کی تسکین، آرام اور محبت سے اس کی حقیقت سے غافل ہو کر پڑھنا ترک کیا ہے تب ہی سے اسلام کی حالت بھی معرض زوال میں آئی ہے۔ وہ زمانہ جس میں نمازیں سوار کر پڑھی جاتی تھیں غور سے دیکھ لو کہ اسلام کے واسطے کیسا تھا۔ ایک دفعہ تو اسلام نے تمام دنیا کو زیر پا کر دیا تھا۔ جب سے اسے ترک کیا وہ خود مٹو ہو گئے ہیں۔ درد دل سے پڑھی ہوئی نماز ہی ہے کہ تمام مشکلات سے انسان کو نکال دیتی ہے۔ ہمارا بارہا کا تجربہ ہے کہ اکثر کسی مشکل کے وقت دعا کی جاتی ہے ابھی نماز میں ہی ہوتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اس امر کو حل اور آسان کر دیا ہوا ہوتا ہے۔

نماز میں کیا ہوتا ہے یہی کہ عرض کرتا ہے۔ التجا کے ہاتھ بڑھاتا ہے اور دوسرا اس کی غرض کو اچھی طرح سنتا ہے پھر ایک ایسا وقت بھی ہوتا ہے کہ جو سنتا تھا وہ بولتا ہے اور گزارش کرنے والے کو جواب دیتا ہے۔ نمازی کا یہی حال ہے خدا کے آگے سر بسجود رہتا ہے اور خدا تعالیٰ کو اپنے مصائب اور حوائج سناتا ہے پھر آخر سچے اور حقیقی نماز کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ ایک وقت جلد آجاتا ہے کہ خدا تعالیٰ اس کے جواب کے واسطے بولتا ہے اور اس کو جواب دے کر تسلی دیتا ہے۔ بھلا یہ بجز حقیقی نماز کے ممکن ہے؟ ہر گز نہیں اور پھر جن کا خدا ہی ایسا نہیں وہ بھی گئے گزرے ہیں ان کا کیا دین اور کیا ایمان ہے۔ وہ کس امید پر اپنے اوقات ضائع کرتے ہیں۔

ہمارے زمانہ میں جو سوال پیش ہوا کہ کیا وجوہات ہیں جن سے اسلام کو زوال آیا اور پھر وہ کیا ذریعے ہے جن سے اس کی ترقی کی راہ نکل سکتی ہے۔ اس کے مختلف قسم کے لوگوں نے اپنے خیال کے مطابق جواب دیے ہیں مگر سچا جواب یہی ہے کہ قرآن کو ترک کرنے سے تنزل آیا اور اسی کی تعلیم کے مطابق عمل کرنے سے ہی اس کی حالت سنور جائے گی۔ موجودہ زمانے میں جو ان کو اپنے خونیں مہدی اور مسیح کی آمد کی امید اور شوق ہے کہ وہ آتے ہی ان کو سلطنت لے دے گا اور کفار تباہ ہوں گے یہ ان کے خام خیال اور وسوسے ہیں۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ خدا نے جس طرح ابتدا میں دعا کے ذریعہ سے شیطان کو آدم کے زیر کیا تھا اسی طرح اب آخری زمانہ میں بھی دعا ہی کے ذریعہ سے غلبہ اور تسلط عطا کرے گا نہ تلوار سے۔ ہر ایک امر کے لیے کچھ اثار ہوتے ہیں اور اس سے پہلے تمہیدیں ہوتی ہیں اور ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ بھلا اگر ان کے خیال کے موافق یہ زمانہ ان کے دن پلٹنے کا ہی تھا اور مسیح نے آکر ان کو سلطنت دلانی تھی تو چاہیے تھا کہ ظاہری طاقت ان میں جمع ہونے لگتی۔ ہتھیار ان کے پاس زیادہ رہتے فتوحات کا سلسلہ ان کے واسطے کھولا جاتا مگر یہاں تو بالکل ہی برعکس نظر آتا ہے۔ ہتھیار ان کے ایجاد نہیں، ملک و دولت ہے تو اوروں کے ہاتھ ہے، ہمت و مردانگی ہے تو اوروں میں، یہ ہتھیاروں کے واسطے بھی دوسروں کے محتاج۔ دن بدن ذلت اور ادبار ان کے گرد ہے۔ جہاں دیکھو! جس میدان میں سنو! انہی کو شکست ہے۔ بھلا کیا یہی آثار ہوا کرتے ہیں اقبال کے؟ ہر گز نہیں۔ یہ بھولے ہوئے ہیں۔ زمینی تلوار اور ہتھیاروں سے ہر گز کامیاب نہیں ہو سکتے ابھی تو ان کی خود اپنی حالت ایسی ہے اور بے دینی اور لامذہبی کارنگ ایسا آیا ہے کہ قابل عذاب اور مورد قہر ہے۔ پھر ایسوں کو کبھی تلوار ملی ہے؟ ہر گز نہیں۔ ان کی ترقی کی وہی سچی راہ ہے کہ اپنے آپ کو قرآن کی تعلیم کے مطابق بناویں اور دعائیں لگ جاویں۔ ان کو اب اگر مدد آوے گی تو آسمانی تلوار سے اور آسمانی حربہ سے، نہ اپنی کوششوں سے اور دعا ہی سے ان کی فتح ہے نہ قوت بازو سے۔ یہ اس لیے ہے کہ جس طرح ابتدا تھی انتہا بھی اسی طرح ہو۔ آدم اول کو فتح دعا ہی سے ہوئی تھی رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا (الاعراف: 24).... اور آدم ثانی کو بھی جو آخری زمانہ میں شیطان سے آخری جنگ کرنا ہے اسی طرح دعا ہی کے ذریعہ فتح ہوگی۔“

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 253-257)

سامعین! انسان اور بہائم کے فرق کا خوبصورتی سے بیان

فرمایا:

”انسان کی فطرت میں یہ بات ہے کہ وہ رفتہ رفتہ ترقی کرتا ہے۔ بچوں میں عادت ہوتی ہے کہ جھوٹ بولتے ہیں آپس میں گالی گلوچ ہوتے ہیں۔ ذرا ذرا سی باتوں پر لڑتے جھگڑتے ہیں۔ جوں جوں عمر میں وہ ترقی کرتے جاتے ہیں عقل اور فہم میں بھی ترقی ہوتی جاتی ہے۔ رفتہ رفتہ انسان تزکیہ نفس کی طرف آتا ہے۔ انسان کی بچپن کی حالت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ گائے بیل وغیرہ جانوروں ہی کی طرح انسان بھی پیدا ہوتا ہے۔ صرف انسان کی فطرت میں ایک نیک بات یہ ہوتی ہے کہ وہ بدی کو چھوڑ کر نیکی کو اختیار کرتا ہے اور یہ صرف انسان میں ہی ہوتی ہے۔ کیونکہ بہائم میں تعلیم کا مادہ نہیں ہوتا۔ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک قصہ نظم میں لکھا ہے کہ ایک گدھے کو ایک بے وقوف تعلیم دیتا تھا اور اس پر شب و روز محنت کرتا۔ ایک حکیم نے اُسے کہا کہ اے بے وقوف! تو یہ کیا کرتا ہے اور کیوں اپنا وقت اور مغز بے فائدہ گنواتا ہے؟ یعنی گدھا تو انسان نہ ہو گا تو تو بھی کہیں گدھا نہ بن جاوے۔“

در حقیقت انسان میں کوئی ایسی الگ شے نہیں ہے جو کہ اور جانوروں میں نہ ہو۔ عموماً سب صفات درجہ وار تمام مخلوق میں پائے جاتے ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ انسان اپنے اخلاق میں ترقی کرتا ہے اور حیوان نہیں کرتا۔ دیکھو! ارنڈ کا تیل اور کھانڈ کیسے غلیظ ہوتے ہیں لیکن جب خوب صاف کیا جائے تو مصطفیٰ ہو کر خوشما ہو جاتے ہیں۔ یہی حال اخلاق اور صفات کا ہے۔ اصل میں صفات کُل نیک ہوتے ہیں جب ان کو بے موقع اور ناجائز طور پر استعمال کیا جاوے تو وہ بُرے ہو جاتے ہیں اور ان کو گنداکر دیا جاتا ہے لیکن جب انہی صفات کو افراد تفریط سے بچا کر محل اور موقع پر استعمال کیا جاوے تو ثواب کا موجب ہو جاتے ہیں۔ قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا ہے مِّنْ حَسَبٍ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ (الفلق: 6) اور دوسری جگہ الشَّيْقُوتُ الْاَوْثَانُ (التوبہ: 100) اب سبقت لے جانا بھی تو ایک قسم کا حسد ہی ہے۔ سبقت لے جانے والا کب چاہتا ہے کہ اس سے اور کوئی آگے بڑھ جاوے۔ یہ صفت بچپن ہی سے انسان میں پائی جاتی ہے۔ اگر بچوں کو آگے بڑھنے کی خواہش نہ ہو تو وہ محنت نہیں کرتے اور کوشش کرنے والے کی استعداد بڑھ جاتی ہے۔ سائقون گویا حاسد ہی ہوتے ہیں لیکن اس جگہ حسد کا مادہ مصطفیٰ ہو کر سابق ہو جاتا ہے۔ اسی طرح حاسد ہی بہشت میں سبقت لے جاویں گے۔

اسی طرح سے غضب اگر موقع اور محل پر استعمال کیا جائے تو وہ ایک صفت محمودہ ہے۔ وہ انسان ہی کیا جسے مستورات کی عصمت کی محافظت کے لیے بھی غضب نہ پیدا ہوتا ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں غضب اور غصہ بہت تھا۔ مسلمان ہونے کے بعد کسی نے آپ سے پوچھا کہ اب وہ غضب اور غصہ کہاں گیا؟ فرمایا کہ غضب تو اسی طرح میرے میں ہے لیکن آگے بے محل اور بے موقع اور ظلم کے رنگ میں تھا اور اب محل اور موقع پر استعمال ہوتا ہے اب انصاف کے رنگ میں ہے۔

صفات بدلتے نہیں ہیں ہاں! ان میں اعتدال آجاتا ہے۔ اس طرح گلہ کرنا ناجائز ہے لیکن استاد یا ماں باپ اگر گلہ کریں تو وہ قابل مذمت نہیں کیونکہ مرشد، استاد یا باپ اگر گلہ کرتے ہیں تو وہ اس کی ترقی کے لیے گلہ کرتے ہیں اور اس کے عیوب کو اس کے لیے بیان کرتے ہیں تاکہ عبرت ہو اور اس کے اعمال میں اصلاح ہو۔ ایسے ہی چوری بھی ایک بُری صفت ہے لیکن اگر اپنے دوستوں کی چیز بلا اجازت استعمال کر لی جاوے تو معیوب نہیں بشرطیکہ دوست ہوں۔

### حقوق دوستی

دو شخصوں میں باہمی دوستی کمال درجہ کی تھی اور ایک دوسرے کا محسن تھا۔ اتفاقاً ایک شخص سفر پر گیا دوسرا اس کے بعد اس کے گھر میں آیا اور اس کی کنیز سے دریافت کیا کہ میرا دوست کہاں ہے؟ اس نے کہا سفر کو گیا ہے۔ پھر اُس نے پوچھا کہ اس کے روپیہ والے صندوق کی چابی تیرے پاس ہے؟ کنیز نے کہا کہ میرے پاس ہے۔ اس نے کنیز سے وہ صندوق منگو کر چابی لی اور خود کھول کر کچھ روپیہ اس میں سے لے گیا۔ جب صاحب خانہ سفر سے واپس آیا تو کنیز نے کہا کہ آپ کا دوست گھر میں آیا تھا۔ یہ سن کر صاحب خانہ کارنگ زد ہو گیا اور اس نے پوچھا کہ کیا کہتا تھا؟ کنیز نے کہا کہ اس نے مجھ سے صندوق اور چابی منگو کر خود آپ کا روپیہ والا صندوق کھولا اور اس میں سے روپیہ نکال کر لے گیا۔ پھر تو وہ صاحب خانہ اس کنیز پر اس قدر خوش ہوا کہ بہت ہی پھولا اور صرف اس صلہ میں کہ اس نے اس کے دوست کا کہا مان لیا اس کو ناراض نہیں کیا۔ اس کنیز کو اُس نے آزاد کر دیا اور کہا کہ اس نیک کام کے اجر میں جو کہ تجھ سے ہوا میں آج ہی تجھ کو آزاد کرتا ہوں۔

غرض جس قدر یہ جرائم ہیں جن کی نواہی کی شریعت میں تاکید ہے مثلاً گلہ نہ کرو، چوری نہ کرو وغیرہ وغیرہ یہ سب صفات بد استعمال کی وجہ سے خراب ہو گئے ہیں ورنہ حقیقتاً ان کا موقع اور محل پر استعمال درست اور انسان کی فطرت کے مطابق ہے۔ عفو ایک موقع پر تو قابل استعمال ہوتا ہے اور بعض موقع پر قابل ترک کیونکہ اگر کسی مجرم کو بار بار عفو ہی کر دیا جاوے تو وہ اور زیادہ بے باک ہو کر جرم کرے گا۔ ایسے موقع پر اُس سے انتقام لینا ہی عفو ہوتا ہے۔

انجیل کی تعلیم میں جو کہ بعض جگہ زیادہ نرمی کی ہدایت ہے اس کا بھی یہی مقصود ہو گا کیونکہ وہ تو صرف یہود کے لیے ہے جو کہ سخت سرکش اور ظالم تباہ لوگ تھے۔ اس مسئلہ کو آج کل لوگوں نے خوب سمجھ لیا ہے۔ برہم لوگوں نے بھی اس پر اعتراض کیے ہیں۔ میں نے ایک برہم کی کتاب میں دیکھا وہ لکھتا ہے کہ تمام عمر مار ہی کھاتے جانا اور ہمیشہ طمانچہ کھانا بلکہ ایک گال زخمی کر کر دوسری گال بھی پھیر دینا یہ کہاں کا انصاف ہے؟۔ دوم انسان اس پر عمل کب کر سکتا ہے اور نہ کسی سے آج تک اس طرح کے عفو پر عمل ہو سکا۔ انجیل کی اس تعلیم کے نتیجے عیسائی لوگ کبھی بھی اس مسئلہ پر عمل نہ کر سکے۔ آج کسی عیسائی کو ایک بات کہو جو کہ اس کی مرضی کے برخلاف ہو پھر دیکھو! وہ کتنی سناٹا ہے اور عدالت کی طرف دوڑتا ہے کہ نہیں۔ بعض نادان عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت مسیح کی اس تعلیم سے یہ مقصود ہے کہ مار اور طمانچہ کھا کر عرضی ڈال دو اور عدالت سے چارہ جوئی کرو۔ لیکن اتنا نہیں سوچتے کہ اگر کسی نے ایک عیسائی کو طمانچہ مار کر اس کے دانت نکال دیے پھر اس نے حسب حکم شریعت دوسری گال آگے کی اور اس نے ادھر کے بھی دانت نکال دیے کیونکہ دشمن کا طمانچہ کوئی پیار کا طمانچہ تو نہ ہو گا وہ تو تمام قوت سے طمانچہ مارے گا اور جب دونوں طرف کے دانت نکل گئے تو پھر عدالت میں جانے سے وہ دانت کیا واپس لگ جائیں گے۔ اگر مجرم کو سزا بھی ہو گئی تو اس کو کیا ملے گا جو ساری عمر کے لیے ایک نعمت سے محروم ہو کر عمدہ کھانے پینے بولنے کی لذت سے جاتا رہا۔ ایسے ہی اگر ایک بدکار کسی عیسائی کی عورت پر ناجائز حملہ کرنا چاہے تو وہ عیسائی اس وقت تو اس کا مزاحم نہ ہو مگر بعد میں عدالت کے ذریعہ چارہ جوئی کرے اور گواہ اور ثبوت دینا پھرے عجیب تعلیم ہے۔“

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 266-270)

### صدقات، دُعا کی تاثیر

فرمایا:

”لوگ اس نعمت سے بے خبر ہیں کہ صدقات، دعا اور خیرات سے رُذِلا ہوتا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو انسان زندہ ہی مر جاتا۔ مصائب اور مشکلات کے وقت کوئی امید اس کے لیے تسلی بخش نہ ہوتی مگر نہیں اسی نے لایُخْلِيفُ الْبَيْعَاةَ (ال عمران: 10) فرمایا ہے لایُخْلِيفُ الْوَعْدَیْنِ نہیں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے وعید معلق ہوتے ہیں جو دعا اور صدقات سے بدل جاتے ہیں۔ اس کی بے انتہا نظیریں موجود ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تا تو انسان کی فطرت میں مصیبت اور بلا کے وقت دعا اور صدقات کی طرف رجوع کرنے کا جوش ہی نہ ہوتا۔“

جس قدر راست باز اور نبی دنیا میں آئے ہیں خواہ وہ کسی ملک اور قوم میں آئے ہوں مگر یہ بات ان سب کی تعلیم میں یکساں ملتی ہے کہ انہوں نے صدقات اور خیرات کی تعلیم دی۔ اگر خدا تعالیٰ کے محو اور اثبات پر قادر نہیں تو پھر یہ ساری تعلیم فضول ٹھہر جاتی ہے اور پھر ماننا پڑے گا کہ دعا کچھ نہیں اور ایسا کہنا ایک عظیم الشان صداقت کا خون کرنا ہے۔ اسلام کی صداقت اور حقیقت دعا ہی کے نقطہ کے نیچے مخفی ہے کیونکہ اگر دعا نہیں تو نماز بے فائدہ، زکوٰۃ بے سود اور اسی طرح سب اعمال معاذ اللہ لغو ٹھہرتے ہیں۔

ہماری مخالف ہر طرف سے کوشش کرتے ہیں کہ ہمارے نابود کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔ ہر قسم کی تدبیریں اور منصوبے کرتے ہیں مگر ان کو معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ پہلے ہی ہم کو تسلی دے چکا ہے مَنَّكَؤَاوَمَكَؤَاللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْبَكْرِيْنَ (ال عمران: 55) خدا کے ساتھ لڑ کر کبھی کوئی کامیاب نہیں ہو سکتا اور ان کا بھروسہ اپنی تدابیر اور حیل پر ہے اور ہمارا خدا پر۔

کوئی مشکل اور کوئی مصیبت مصیبت رہ سکتی ہی نہیں اگر کوئی شخص استقامت اور صبر اپنا شیوا کر لے اور خدا تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ کرے  
خدا داری چہ نعم داری۔“

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 273-274)

### سامعین! خدا کی توبہ کی حقیقت کا بیان

حضور فرماتے ہیں:

”توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ گناہ سے کلی طور پر بیزار ہو کر خدا کی طرف رجوع کرے اور سچے طور سے یہ عہد ہو کہ موت تک پھر گناہ نہ کروں گا۔ ایسی توبہ پر خدا کا وعدہ ہے کہ میں بخش دوں گا اگرچہ یہ توبہ دوسرے دن ہی ٹوٹ جاوے۔ مگر بات یہ ہے کہ کرنے والے کا اس وقت عزم مصمم ہو اور اس کے دل میں ٹوٹی ہوئی نہ ہو۔ ایک توبہ انسان کی طرف سے ہوتی ہے اور ایک خدا کی طرف سے۔ خدا کی توبہ کے معنی رجوع کے ہیں کیونکہ اس کا نام تواب ہے۔ انسان توبہ کرتا ہے تو گناہ سے نیکی کی طرف آتا ہے اور جب خدا توبہ کرتا ہے تو وہ رحمت سے اُس کی طرف آتا ہے اور اُس انسان کو لغزش سے سنبھال لیتا ہے۔ جب اس قسم کی خدا کی توبہ ہو تو پھر لغزش نہیں ہوتی۔ حدیث میں ہے کہ انسان توبہ کرتا ہے پھر اس سے ٹوٹ جاتی ہے اور قضا و قدر غالب آتی ہے پھر وہ روتا ہے گڑگڑاتا ہے پھر توبہ کرتا ہے مگر پھر ٹوٹ جاتی ہے اور وہ بار بار تضرع کرتا ہے اور توبہ کرتا ہے پھر آخر کار جب انتہا تک اس کی تضرع اور ابتهال پہنچ جاتے ہیں تو پھر خدا توبہ کرتا ہے یعنی اس کی طرف رجوع کرتا ہے اور کہتا ہے اِعْمَلْ مَا شِئْتَ اِنِّي غَفَرْتُ لَكَ اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ اب اس کی فطرت ایسی بدل دی گئی ہے کہ گناہ نہ ہو سکے گا۔ جیسے کسی بدکار کا آلہ تناسل کاٹ دیا جاوے تو پھر وہ کیا بد کاری کرے گا یا آنکھیں نکال دی جائیں تو وہ کیا بد نظری کرے گا۔ اسی طرح خدا سرشت بدل دیتا ہے اور بالکل پاکیزہ فطرت بنا دیتا ہے۔ بدر میں جب صحابہ کرام نے جان لڑائی تو ان کی اس ہمت اور اخلاص کو دیکھ کر خدا نے ان کو بخش دیا ان کے دلوں کو صاف کر دیا کہ پھر گناہ ہو ہی نہ سکے۔ یہ بھی ایک درجہ ہے جب فطرت بدل جاتی ہے تو وہ خدا کی رضا کے برخلاف کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ اگر انسان سے گناہ نہ ہوں اور وہ توبہ نہ کرے تو خدا ان کو ہلاک کر کے ایسی قوم پیدا کرے جو گناہ کرے اور پھر خدا ان کو بخشے۔ اگر یہ نہ ہو تو پھر خدا کی صفت غفوریت کیسے کام کرے گی۔“

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 233-234)

اللہ تعالیٰ ہمیں ان قیمتی نصائح پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین

(کمپوزڈ: مسز عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

